اسلام میں خواتین کے سیاسی حقوق: از سرِ نو جائزہ

باربرا اسٹو ویسر*

تلخیص: ڈاکٹر فخر الاسلام

اکتوبر ۱۹۹۹ء مجھے قاہرہ جا کر ''اسلام میں خواتین کے سیاسی حقوق'' کے حوالے سے ڈاکٹر ہبہ رؤف عزت سے انٹرویو کرنے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر ہبہ اسلامی ذہن کی حامل نوجوان دانشور ہیں جنہوں نے امریکہ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ سیاسیات میں پی ایچ ڈی ہیں اور آج کل قاہرہ یونی ورسٹی میں پڑھاتی ہیں۔ ان کے شوہر احمد محمد عبداللہ بھی تحریک اسلامی کے معروف کارکن ہیں۔ یہ انٹرویو زیادہ تر معاصر اسلامی ماحول میں صنفی مسائل (gender questions) کے بارے میں تھا۔ مصر اور دیگر ممالک میں اسلام کے معاشرتی اور سیاسی افکار کا جو جائزہ اس نوجوان معلّمہ نے پیش کیا اس نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ ان کی سوچ کے تین زاویے میرے سامنے آئے۔ اولاً ان کی رائے یہ تھی کہ فی زمانہ برقیاتی ذرائع ترسیل (electronic communication) کی اہمیت کتابوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے جن میں مواصلاتی سیارے، تاریں (cables)، اور انٹرنیٹ شامل ہیں۔ وہ خود بھی قطر یونی ورسٹی کے شعبہ کمپیوٹر سائنس میں تیار ہونے والے انٹرنیٹ کے منصوبے میں شریک کار ہیں۔ اس منصوبے کے تحت "Islam-on line" کے عنوان سے انٹرنیٹ کی ایک سائیٹ تیار کی گئی ہے۔ آپ کے خیال میں سماجی حرکیت (social activism) سیاسی حرکیت سے زیادہ اہم ہے اور سماجی مسائل بالخصوص خواتین اور خاندان کے بارے میں مصنفین (writers) کی کارکردگی، کارکنان (activists) سے زیادہ نمایاں ہے۔

ثانیاً جس چیز نے مجھے متاثر کیا وہ ڈاکٹر صاحبہ کا معاصر اسلام پر مشرق و مغرب میں لکھے جانے

*Barbara Stowasser, "Old Shaykhs, Young women, and the Internet: The Rewriting of Women's Political Rights in Islam", *The Muslim World*, Vol. 91, No. 1&2, Spring 2001, pp. 99-119.

والے ادب پر عبور تھا۔ اُنہوں نے نہ صرف یہ کہ مجھے سماجی، سیاسی مسائل اور ''اسلام اور جمہوریت'' پر عربی کی تصانیف کی طویل فہرست پیش کی بلکہ وہ امریکہ اور یورپ میں ان ہی موضوعات پر موجود ذخیرہ سے بھی خوب باخبر تھیں۔ ثالثاً ان کے رکھ رکھاؤ میں مساوات نسواں کی جھلک صاف نظر آ رہی تھی۔ ایک طرف تو وہ صنفی مسئلے پر اسلامی تحریک کی رائے سے متفق نظر آ رہی تھی لیکن دوسری طرف انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ کس طرح اسلامی تحاریک کے رہنما ''صنفی مسائل'' سے کھیلتے رہے ہیں۔

ہماری گفتگو کے دوران دو شخصیات شیخ محمد الغزالی اور شیخ یوسف القرضاوی حقوق نسواں کے پشتی بان کے طور پر ابھر کر سامنے آئے۔ یہ دونوں اصحاب الازہر کے سند یافتہ اور اخوان المسلمون سے وابستہ رہے۔ محمد الغزالی ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۹۶ء میں انتقال فرمایا۔ زیر بحث موضوع کے حوالے سے آپ نے ''خواتین کے مسائل'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ بھی آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ جدید مصری علماء میں بہت نمایاں ہیں۔ جوانی کے ایام میں وہ صنفی عدم مساوات اور مرد وزن کی علیحدگی (segregation) کے قائل تھے۔ تاہم بعد میں وہ اس رائے سے رجوع کرتے ہوئے نظر آئے جس کا بین ثبوت ان کی مذکورہ بالا تصنیف ہے۔ زیر نظر مقالہ زیادہ تر یوسف القرضاوی کے خیالات کا احاطہ کرے گا جس میں ان کی حالیہ تصنیف ''معاصر قانونی آراء (فتاویٰ)'' کے نکات شامل ہوں گے۔

شیخ القرضاوی ۱۹۲۶ء میں مصر میں پیدا ہوئے۔ عشرہ ۱۹۵۰ء کے اوائل میں آپ الازہر کی اس رضا کار تنظیم کے رکن بنے جس نے نہر سویز پر برطانوی قبضے کے خلاف مسلح جدوجہد کی۔ ۱۹۵۲ء میں آپ نے ازہری طلباء کا وفد بنا کر جامعہ کے شیوخ سے ملاقات کی اور اُن سے جامعہ کے نصاب میں تبدیلی کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۵۶ء میں آپ نے قاہرہ کی کئی مساجد میں تبلیغ شروع کی لیکن ۱۹۵۹ء میں آپ کی ان سرگرمیوں پر پابندی عائد کی گئی اور اُن کا تبادلہ الازہر کے شعبہ ثقافت میں کر دیا گیا، وہ اس شعبے سے قطر منتقل ہو گئے۔ قطر میں وہ گزشتہ تیس سال کے دوران کئی عہدوں پر فائز رہے۔ آپ نے جامعہ قطر میں کلیہ شریعہ کی بنیاد ڈالی اور پھر اس کے ڈین بن گئے۔ آپ نے سیرت وسنت کی تحقیق کا مرکز بھی قائم کیا۔ آپ اسلامی بینکوں کے مذہبی شعبے کے صدر نشین رہے، علاوہ ازیں آپ الجزیرہ ٹیلی ویژن چینل کے ہفتہ وار

پروگرام ''شریعت اور قانون'' اور ''شریعت اور زندگی'' میں میزبانی کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ اندازہ ہے کہ ان پروگراموں کو لاکھوں ناظرین دیکھتے ہیں جبکہ وہی ناظرین ہر ہفتے ہزاروں کی تعداد میں الجزیرہ کو خطوط بھی لکھتے ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد ۵۰ ہے جن میں زیادہ تر کتابیں ایک ترقی پسند اسلامی ریاست کی تشکیل کے بارے میں ہیں۔ آپ کی تصانیف میں قرآن کو جمہوریت، حقوق انسانی اور جدت پسندی کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کوشش نظر آتی ہے۔ ایک حالیہ انٹرویو میں اُنہوں نے اپنے اصلاحی افکار پر اخوان المسلمون کے بانی حسن البناء کے اثرات کا اعتراف کیا۔ آپ نے ۱۹۴۰ء میں زمانہ طالب علمی میں اخوان میں شمولیت اختیار کی۔ اخوان میں آپ کی سرگرمیوں کی پاداش میں ناصر نے اُنہیں تین مرتبہ یعنی ۱۹۴۹ء، ۵۶-۱۹۵۴ء اور ۱۹۶۲ء میں پابند سلاسل کر دیا۔ شیخ قرضاوی کے مطابق وہ ابھی جیل میں تھے کہ اخوان نے مسلح جدوجہد ترک کرتے ہوئے اپنی سرگرمیاں ٹریڈ یونینوں اور دیگر پیشہ ورانہ انجمنوں اور تدریس کے شعبے تک محدود کر دیں۔ اسی دوران آپ نے یونی ورسٹی میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آج کل انٹرنیٹ پر شیخ قرضاوی کا اپنا web-page موجود ہے اور آپ نے قطر میں ''اسلام'' پر ایک ویب سائیٹ کو پروان چڑھانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

شیخ قرضاوی ایک معروف شاعر بھی ہیں اور جیسا کہ ڈاکٹر بہہ نے انکشاف کیا کہ خواتین کی تعلیم کے پرزور حامی ہونے کے ناطے سے شیخ قرضاوی کی تمام بیٹیاں پی ایچ ڈی ڈگری حاصل کر چکی ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم ''اسلام میں خواتین کے سیاسی حقوق'' کے موضوع پر شیخ قرضاوی کے دو فتوے تفصیل کے ساتھ پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جامعہ الازہر کے روایت پسند شیوخ کا وہ فتویٰ بھی پیش کیا جائے جو اُنہوں نے ۱۹۵۲ء میں خواتین کے سیاسی حقوق کے بارے میں جاری کیا تھا۔

روایت پسند شیوخ کا فتویٰ

خواتین کے سیاسی حقوق سے متعلق یہ فتویٰ ۱۹۵۲ء میں جامعہ الازہر کے شعبہ افتاء نے جاری کیا۔ اس فتویٰ پر مارچ ۱۹۵۲ء میں (مصر میں انقلاب سے کچھ ہی قبل) قاہرہ میں ایک کانفرنس میں غور کیا گیا، جس میں اخوان المسلمون، الجامعہ الشریعہ، التربیۃ الاسلامیہ، شباب محمدؐ، الاشراح محمدیہ اور الازہر کی جمعیۃ

العلماء جیسی تنظیموں نے شرکت کی۔ جو اہم شخصیات اس کانفرنس میں شریک ہوئیں ان میں جامعہ ازہر کے سابق ریکٹر شیخ محمد الخضر حسین اور مصر کے سابق مفتی اعظم شیخ حسنین مخلوف بھی شامل تھے۔ اس کانفرنس کی روداد ۲۶ سال بعد (۱۹۷۶ء میں) شباب محمدؐ کے سابق سربراہ محمد عطیہ خامس نے ''تحریکاتِ نسواں اور سامراجیت کے روابط'' کے عنوان سے شائع کرائی۔ بالفاظ دیگر یہ روداد اس وقت شائع ہوئی جب کہ جمال عبدالناصر کی طرف سے مصری خواتین کو ووٹ کا حق دیے بائیس برس بیت چکے تھے۔ ذیل کی سطور میں اس فتوے کا خلاصہ دیا جارہا ہے۔

اس فتوے کے پہلے حصے میں علماء کی اس قدیم اجارہ داری کو تسلیم کیا گیا ہے جس کے تحت وہ صحیح اور ضعیف حدیث میں تمیز کرتے ہیں۔ ان کے مطابق شریعت کی بنیاد قرآنی آیات اور ان کی تصدیق کرنے والی صحیح احادیث پر رکھی گئی ہے اور یہ کہ یہ احکام زمان کی قید سے آزاد ہیں۔ غیر ملکی قوانین، مقامی رسومات یا جدت پسندی سے مغلوب ہوکر اگر خدا کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کیا گیا تو اس سے مراد مذہب کا صریح انکار ہوگا۔

اس فتوئی کے مطابق جہاں تک انتخابات میں خواتین کے حصہ لینے کے حق کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ولایت (Sovereign Power) کو مدنظر رکھا جانا چاہیے۔ ولایت دو قسم کی ہیں یعنی نجی اور عمومی (public)۔ نجی ولایت کے معاملے میں شریعت نے عورت کو کافی اختیارات دیے ہیں جن کے تحت وہ اپنی دولت پر تصرف کے ساتھ ساتھ اوقاف کی نگرانی اور اختیار ملنے کی صورت میں لوگوں کے نجی امور پر نظر بھی رکھ سکتی ہے لیکن بات جب عمومی ولایت (public sovereignty) کی آتی ہے تو شریعت نے عورت کے اختیارات کو کافی حد تک محدود کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ قوانین کی تدوین، تنازعات کے تصفیے اور قانونی فیصلوں کی تنفیذ کا اختیار نہیں رکھتی۔ چنانچہ وہ پارلیمان کی رکن نہیں بن سکتی، کیونکہ بحیثیت رکن پارلیمان قوانین کی تدوین اور ان کا نفاذ اس کے فرائض میں سرفہرست ہوتا ہے۔

فتوئی مذکورہ کے مطابق اسلامی تاریخ میں عمومی سیاست میں خواتین کے حصہ لینے کی کوئی نظیر موجود نہیں۔ اسلام کے نشاۃ اول میں نہ تو امہات المومنین نے اس کی خواہش ظاہر کی اور نہ اصحاب رسولؐ نے اس کا مطالبہ کیا۔ اگر قرآن و حدیث نے عورت کو یہ حق دیا ہوتا تو یہ متقی لوگ اس کے برعکس کیسے عمل

کرتے؟ جب حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں کوئی عورت شامل نہیں تھی اس حوالے سے ناقابل تردید ثبوت تو ابوبکرہؓ سے مروی وہ حدیث ہے کہ جب پیغمبرؐ نے سنا کہ ایرانیوں نے شہنشاہ خسرو کی بیٹی کو اپنا حاکم بنالیا تو آپ نے فرمایا: ''جو لوگ عورت کو حکمران بنالیتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔'' پیغمبرؐ کے یہ الفاظ غیر مبہم اور اتنے واضح ہیں کہ یہ اسلامی قانون کی بنیاد بنے۔ یہی وجہ ہے کہ اصحابِ رسولؐ اور بعد کے علماء نے عورت کو عمومی امور حاکمیت یعنی حکمرانی، جج بننے اور عساکر کی قیادت کو جائز قرار نہیں دیا، چاہے وہ کتنی باصلاحیت کیوں نہ ہو۔

اس فتویٰ میں عورت کے جذباتی رجحانات پر بھی بحث کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کی مخصوص جسمانی ساخت (خاص کر ایام حیض میں) اور اس کی دماغی حالت سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسے ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور وہ ہے ممتا۔ جذباتیت کے اس طرح کے مظاہرے پیغمبر کی بیویوں نے بھی کیے جنہیں قرآن نے بارہا متنبہ کیا۔ چنانچہ اسی بناء پر قرآن نے مرد کے مقابلے میں اس کی گواہی کو نصف قرار دیا اور مردوں کو عورتوں پر گھر کے اندر اور باہر ''قوّام'' (نگران) بنایا گیا۔ اب مرد عمومی فرائض یعنی نماز جمعہ اور جہاد میں حصہ لیں گے جبکہ خواتین کو ان سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ ماضی اور حال میں خواتین کو اگر تدریس اور صحت کے شعبوں میں کام کرنے دیا گیا تو اس کا سبب یہ تھا کہ ان شعبوں میں کام کرنے سے عمومی حکمرانی کا حق غصب نہیں ہوتا۔

اس فتوے کے مطابق ۶۵۶ء میں جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی شرکت کی غلط تعبیر کی گئی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے نہ تو اس جنگ میں فوج کی قیادت کی اور نہ لڑائی میں حصہ لیا۔ وہ تو اس جنگ میں علامتی طور پر شریک ہوئیں تاکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے حوالے سے غفلت پر اپنے جذبات کا اظہار کرسکیں۔ [حضرت] عائشہؓ کا یہ فعل عورتوں کے بارے میں قرآنی حکم کہ ''اپنے گھروں میں بیٹھی رہو!'' (۳۳:۳۳) کی خلاف ورزی تھی جس پر بعد میں وہ خود بھی پشیمان تھیں۔ صحابی ابوبکرہؓ جنہوں نے عورت کی حکمرانی والی حدیث پیغمبرؐ سے روایت کی تھی، عائشہؓ کے ساتھ جنگ جمل میں شریک نہیں ہوا، چنانچہ [حضرت] عائشہؓ کی مثال اس حوالے سے دینا عورت کی قیادت کا قانونی جواز نہیں بن سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ مدینے میں حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والی خواتین کا معاملہ بھی غلط طریقے سے پیش کیا

گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بیعت عورتوں سے الگ لی گئی تھی اور وہ بھی مردوں کی طرف سے بیعت وفاداری کے بعد نیز مردوں اور عورتوں کی بیعتوں کے الفاظ بھی مختلف تھے۔ مردوں نے جہاں پیغمبر سے وفاداری اور جہاد پر بیعت کی وہاں عورتوں نے نجی زندگیوں میں مخصوص گناہ گارانہ اعمال سے پرہیز کی بیعت کی۔ اگرچہ اسلام عورت کو مذہبی علم کے حصول اور رہنمائی کی خاطر عمومی اجتماعات میں شرکت کرنے سے منع نہیں کرتا تاکہ وہ سوالات پوچھیں اور شک یا تنقید کا اظہار کرسکیں جیسا کہ مسجد نبویؐ میں ایک عورت نے قرآن کا حوالہ دے کر حضرت عمرؓ کے حق مہر کی رقم محدود کرنے والے فیصلے کو چیلنج کیا، لیکن اس قسم کے اجتماعات میں شرکت کو اہم مناصب پر تقرری کا جواز نہیں بنانا چاہیے۔ فتویٰ کا دوسرا نکتہ خواتین کے حق رائے دہی سے متعلق ہے۔ اصولاً عورت کو رائے دہی کا حق حاصل نہیں کیونکہ اس سے انتخابات میں بطور امیدوار حصہ لینے کی خواہش انگڑائی لے سکتی ہے اور اسلامی شریعت وقانون کے تحت کسی ممنوعہ کام تک پہنچنے کے ذرائع بھی ممنوع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ انتخابی عمل میں بیمار دل (بداطوار) لوگوں کے ساتھ مہم چلانے اور یا تنہائی میں اجلاس ان کی عزت اور شہرت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

خواتین کے سیاسی حقوق سے متعلق شیخ القرضاوی کے فتاویٰ

۱۹۵۲ء میں روایت پسند ازہری شیوخ کے فتووں کے مقابلے میں القرضاوی کی دو جلدوں پر مشتمل کتاب ''فتویٰ معاصرہ'' (Contemporary Fatwas) نے عورت کے حقوق سیاسی کو ایک نیا رُخ دیا۔ یہ دراصل جدید سوالات کے جدید جوابات دینے کی کوشش تھی۔ انہوں نے جا بجا مذہبی جنونیوں اور ان کے ادھورے یا قدامت پرست خیالات کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ تاہم یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ان کا روئے سخن شدت پسند اسلامی تحریک کی طرف ہے یا الازہر کے شیوخ کی جانب۔ اپنے حالیہ انٹرویو میں القرضاوی نے کہا کہ فتویٰ جاری کرنے والوں کے لیے معاصر حقائق سے آگاہی ضروری ہے نہ کہ وہ صرف ماضی اور کتابوں میں گم ہوں، تاہم القرضاوی یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ ان کے مرشد حسن البناء اور اخوان المسلمون کے اوائل کے رہنما خواتین کے سیاسی حقوق کے حوالے سے مکمل طور پر روایت پسندوں کے زیر اثر کیوں ہیں؟

القرضاوی کا پہلا فتویٰ پارلیمانی انتخابات میں خواتین کے حصہ لینے سے متعلق ہے۔ قرآن، حدیث اور سیرت سے استفادہ کرتے ہوئے مصنف الہامی اصولوں پر مبنی صنفی مساوات کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ آپ کے مطابق قرآن کے تمام قوانین کا اطلاق مرد و زن پر یکساں طور پر ہوتا ہے۔ الّا یہ کہ کوئی حکم کسی خاص صنف کے لیے مخصوص نہ ہو۔ آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں مرد و زن دونوں کو مکلّف قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں دونوں کو حکم دیا گیا ہے۔ آپ کے مطابق یہ فریضہ عام زندگی میں بھی انجام دینا چاہیے جس کے لیے سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے۔ آپ حضورؐ کی برپا کی گئی جدوجہد میں خواتین کے کردار کی مثالیں دیتے ہیں مثلاً یہ کہ اسلام قبول کرنے والی پہلی شخصیت عورت تھی جبکہ سب سے پہلے شہادت کے رُتبے پر فائز ہونے والی شخصیت بھی ایک عورت تھی۔ اسی طرح کچھ خواتین نے اسلام کے نشاۃ اول میں جنگوں میں حصہ بھی لیا۔ مردوں کے ''قوّام'' ہونے کے حوالے سے القرضاوی کی رائے یہ ہے کہ یہ کردار مرد اپنے گھر میں بطور شوہر ادا کرتا ہے جبکہ وہ گھر کے معاشی اخراجات کا بوجھ اُٹھالیتا ہے اور بیوی اس بوجھ سے مستثنیٰ ہے۔ اسی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے سبب اسلام نے دو خواتین کا حصہ ایک مرد کے برابر متعین کر دیا ہے۔

اس مرحلے پر القرضاوی نے تین اہم امور کی جانب بطور خاص اشارہ کیا ہے۔ اول یہ کہ اسلام کے معیارات قانون میں کوئی بھی دلیل صاف اور واضح متن پر مبنی ہونی چاہیے۔ تمام ضعیف روایتوں کو ختم کر کے اور ''مبہم'' قرآنی آیات کی نئے سرے سے تشریح ہونی چاہیے، کیونکہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ لوگوں پر اپنی تشریح ٹھونس دے، خاص طور پر سماجی امور کے حوالے سے۔

دوم یہ کہ کسی بھی فتویٰ کے اصول کو اس زمان و مکان سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا جس کے اندر پہلی بار اس کی تطبیق ہوتی ہو۔ ماضی میں خواتین کے حقوق پر بے جا سختی یا اپنے دور کے حالات کی اسیری اثر انداز رہی، مثال کے طور پر خواتین کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنا۔

تیسرا پہلو جس کی جانب القرضاوی اشارہ کرتے ہیں، معاصر مسلم معاشرے میں وہ تباہ کن پروپیگنڈہ ہے جو حقوق نسواں سے متعلق ماضی یا حال میں مذہبی جنونیوں کے اقوال و افعال کو بنیاد بنا کر سیکولر عناصر کر رہے ہیں۔

اس کے بعد القرضاوی اس دعویٰ کا جائزہ لیتے اور تردید کرتے ہیں جس کے مطابق عورت کے لیے سیاسی قیادت ممنوع قرار دی گئی ہے۔ ان کے خیال میں سماجی بھلائی کے لیے ضروری ہے کہ عورت کو اس کے سیاسی حقوق ودیعت کیے جائیں۔ القرضاوی کے مطابق قرآنی آیت کہ ''اپنے گھروں میں بیٹھی رہو!'' کے اندر ہی مزید تشریح موجود ہے۔ اگر اس کے سیاق وسباق پر غور کیا جائے تو یہ حکم ازواج مطہرات کے لیے مخصوص تھا۔ جہاں تک حضرت عائشہؓ کی جنگ جمل میں شرکت پر اظہار افسوس کا تعلق ہے تو اُنہوں نے غلط سیاسی فیصلے پر معذرت کی تھی نہ کہ گھر سے نکلنے پر۔

آج کے زمانے میں تو مذہبی ذہن کی خواتین کو انتخابی معرکہ میں ضرور حصہ لینا چاہیے ورنہ حقوق نسواں کے علمبردار سیکولر عناصر میدان مار لیں گے۔ القرضاوی کے مطابق جب عورت کو گھر میں قید کرنے کا حکم آیا تو یہ معمول کا حکم نہیں تھا بلکہ دراصل عورت کے تجرّد کی سزا تھی۔ یہ دلیل بھی بذاتِ خود کمزور ہے کہ عورت کو محض اس خدشے کے سبب سیاسی سرگرمیوں سے روکا جائے کہ اس میں (مرد وزن کے آزادانہ میل جول کی وجہ سے) خرابی کا احتمال ہے۔ جو لوگ عورتوں کو ووٹ کے استعمال سے روکتے ہیں وہ دراصل اسلامی ذہن کے امیدواروں کی حق تلفی کرتے ہیں کیونکہ اس صورت میں ان کے مدمقابل سیکولر امیدوار لادین خواتین کے ووٹوں سے یقینی طور پر کامیاب ہوتے ہیں۔

عورتوں کو پارلیمان کا انتخاب لڑنے سے متعلق قدیم علماء نے ولایت کی آڑ لے کر جو دلیل دی ہے، القرضاوی نے چار جوابی دلائل سے اس کی تردید کی ہے۔ (الف) چونکہ انتخابات میں کم تعداد میں خواتین حصہ لیتی ہیں اس لیے ان کی مردارا کین پر برتری کا کوئی امکان نہیں۔ (ب) قرآن نے مردوں کے لیے ''قوّام'' کی جو اصطلاح استعمال کی ہے وہ خالصتاً خاندانی امور تک محدود ہے جہاں مرد کو برتر حیثیت حاصل ہے، تاہم وہاں بھی خواتین کو فیصلوں میں شریک کیا جانا چاہیے۔ (ج) پارلیمان کے اندر خاتون رکن اپنی قوم کی بھلائی کے لیے کام کرتی ہے۔ یہ فریضہ اس کے لیے قرآن نے متعین کیا ہے۔ (د) قرآن میں ''شوریٰ'' کا جو تصور دیا گیا ہے وہ صرف مردوں تک محدود نہیں خواتین کو بھی مشاورت کا حصہ بنانا چاہیے۔

القرضاوی کا دوسرا فتویٰ جن نکات پر مشتمل ہے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

اُنہوں نے علمائے ازہر کے اس دعوے کے جواب میں کہ عورت اپنی جذباتیت کے اعتبار سے صرف ماں بننے کی اہل ہے لکھا کہ جذباتیت صرف نسوانی خصلت نہیں مرد بھی جذباتی ہو سکتے ہیں۔ حسد اور لالچ کے حوالے سے قرآن نے امہات المومنینؓ کو جو تنبیہ کی ہے تو یہی کمزوریاں جنگ اُحد میں مرد صحابہ میں بھی پائی گئیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بشری کمزوریاں مرد و زن دونوں میں پائی جاتی ہیں۔ عورت کی جسمانی کمزوریوں (بالخصوص آیام حیض ونفاس) کو القرضاوی اس طرح لیتے ہیں کہ یہ کمزوریاں تو جوان عورتوں میں پائی جاتی ہیں، تاہم جو عمر رسیدہ خواتین سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں ان کے ہاں تو سرے سے یہ کمزوریاں موجود ہی نہیں ہوتیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے عورت کی قیادت سے متعلق جو ارشاد فرمایا وہ ایک خاص وقت کے لیے تھا۔ قرآن کی سورہ سبا میں ملکہ سبا کو ایک عادل اور شاندار حکمران کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اکثر خواتین کئی حوالوں سے مردوں سے بہتر ہوتی ہیں اس لیے وہ وزراء اور جج بھی بن سکتی ہیں یہاں تک کہ عورت حکومت کی سربراہ بننے کی بھی اہل ہے کیونکہ معروف پارلیمانی روایات کے مطابق وہ اکثریتی جماعت کی قیادت کرتی ہے جس کے اکثر ارکان مرد ہوتے ہیں۔

درج بالا دونوں فتاویٰ میں القرضاوی کا طریق کار خاصا دلچسپ ہے جس کے تحت اُنہوں نے قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کی درجہ بندی کرتے ہوئے ان میں سے تاریخی اور ایک زمانے کے لیے مخصوص احکام کو الگ کر دیا ہے یعنی وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ احکام تمام زمانوں کے لیے نہیں۔ المختصر القرضاوی یہ اس لیے کہ سیکولر عناصر قربانی سے سرشار مسلم خواتین کے سیاسی میدان سے غیر حاضری کا بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

چند دیگر جدت پسند دانشوروں کا تذکرہ

شیخ القرضاوی کے ان دو فتاویٰ کی جھلک ہمیں انیسویں صدی کے ازہری شیخ محمد عبدہٗ (م ۱۹۰۵ء) کی جدت پسند روایت میں ملتی ہے۔ عبدہٗ اور ان کا مکتب فکر بدعات سے پاک، سادہ اور انسان دوست اسلام کا احیاء چاہتے تھے جو نئے دور کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ عبدہٗ نے بیک وقت سیکولر اشرافیہ اور روایتی علماء کا مقابلہ کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں مساوات اور آزادی کے لیے

کوشاں ہے۔

مطالعہ قرآن کا نیا منہج ٹیمپل یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے پروفیسر اسماعیل فاروقی نے بھی وضع کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے قرآنی عبارت کی منشاء معلوم کرنے کی جستجو کی تاکہ اس کے ذریعے معلوم کیا جاسکے کہ اسلام کے نظام اخلاق میں وہ کون سی سطحیں ہیں جو مقید زمان (time bound) اقدار کو زمانے کی قید سے آزاد (time less) اصولوں سے ممیز کرتی ہیں۔

مطالعہ مذاہب کی ایک عالمہ اَمینہ ودود نے بھی تاریخی وثقافتی اثرات کی حامل قرآنی عبارت کو اس عبارت سے الگ کرنے کی کوشش کی جو ہر زمان ومکان کے لیے ہے۔ اس نوعیت کی کوششیں شام سے تعلق رکھنے والے سول انجینئر محمد شاہرور اور مصر کے ماہر لسانیات پروفیسر نصر حمید ابوزید نے بھی کیں۔ ان میں سے پروفیسر ابوزید نے قرآن کی عبارت اور اللہ تعالیٰ کی اصل منشاء کے درمیان فرق بیان کرنے میں جو طریق کار اپنایا اس پر مصر کے علماء اور اسلامی تنظیموں نے انہیں کافر قرار دیا اور وہ پانچ سال قبل مصر چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔

ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ جدت پسند مسلم دانشوروں نے کتنی خدمات انجام دیں۔ اگرچہ ان کا وشوں کے اثرات سامنے آنا شروع ہوگئے ہیں لیکن ابھی اس میں وقت لگے گا۔ کیونکہ ان کا مقابلہ روایت پسندوں سے ہے جنہوں نے بعض ممالک میں ان جدت پسندوں پر ''معتزلہ'' کا الزام لگا کر انہیں اپنے ملک سے ہجرت کرنے پر مجبور کردیا ہے۔

جدید علماء

آخر میں محمد الغزالی اور یوسف القرضاوی کا دوبارہ تذکرہ ضروری ہے جنہیں ڈاکٹر ہبہ رؤف اسلام کے اصلاح پسند صنفی نظریے (gender paradigm) کے پشتی بان تصور کرتی ہیں۔ ان کے خیال میں یہ دونوں دانشور عبارت اور قانون کے ماہرین کے درمیان پُل کا کام دے رہے ہیں۔ یہ دو گروہ جامعہ ازہر کے نصاب کے نتیجے میں سامنے آئے ہیں۔

غزالی اور قرضاوی کی مقبولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ معاصر اسلامی دُنیا کو آج ثقافتی اور قانونی

جدت پذیری (modernization) کی مبارزت کا سامنا ہے۔ جدت پسندی فی زمانہ عالم اسلام اور پوری دنیا میں فروغ پا رہی ہے۔ مگر عالم اسلام میں یہ مغرب سے مختلف ہوگی کیونکہ مغرب میں جدت پسندی کا منطقی انجام سیکولرزم ہے۔ تاہم عالم اسلام میں جدیدیت کے اندر مغربی ٹکنالوجی کو ضرور جوتنا چاہیے۔ کم وبیش یہی خیالات محمد عبدہٗ نے اُنیسویں صدی میں پیش کیے تھے۔

اس حوالے سے نسبتاً جوان اور ہم عصر علماء (جو اپنے نظریات جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے عام کرنا چاہتے ہیں) بہت اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اگر کمرہ جماعت میں پڑھاتے ہیں تو اس کے ذریعے نئی نسل کے خیالات بدلتے ہیں۔ فتوے جاری کرنے کی صورت میں یہ لوگ روایت پسند علماء کی قانونی تشریحات کو عبور کرتے ہیں اور عام خطبوں، ٹیلی ویژن پروگراموں اور مقالہ جات کے ذریعے یہ جدید علماء روزانہ لاکھوں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہیں۔

القرضاوی نے صنفی مساوات پر مبنی جس اسلامی معاشرے کا تصور پیش کیا ہے وہ کئی حوالوں سے فروغ پا رہا ہے جس میں سب سے بڑا محرک عالم اسلام میں ابھرنے والی وہ تحریک ہے جس کے ہراول دستے میں سیاسی طور پر باشعور، مذہبی اقدار کے پابند اور صنفی مساوات کے حامی مرد وخواتین نظر آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آہستہ آہستہ شدت پسند تنظیموں میں بھی اس بات کا ادراک پیدا ہو رہا ہے کہ سیاسی میدان میں خواتین کس قدر اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ دیگر اسلامی جدت پسندوں کے مقابلے میں جامعہ الازہر کے فارغ التحصیل شیخ القرضاوی کے جاری کردہ فتوے قبولیت عامہ حاصل کر رہے ہیں۔

[باربرا اسٹوویسر، جارج ٹاؤن یونیورسٹی، واشنگٹن ڈی سی میں پڑھاتی ہیں۔]